بدن کی خوشبو

عصمت چغتائی

Ismat Chughtai

بدن کی خوشبو

عصمت چغتائی

کمرے کی نیم تاریک فضا میں ایسا محسوس ہوا جیسے ایک موہوم سایہ آہستہ آہستہ دبے پاؤں چھمن میاں کی مسہری کی طرف بڑھ رہا ہے۔

سائے کا رخ چھمن میاں کی مسہری کی طرف تھا۔ پستول نہیں شاید حملہ آور کے ہاتھ میں خنجر تھا۔ چھمن میاں کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا۔ انگوٹھے اکڑنے لگے۔ سایہ پیروں پر جھکا' مگر اس سے پہلے کہ دشمن ان پر بھرپور وار کرتا انہوں نے پول جمپ قسم کی ایک رفتار لگائی اور سیدھا ٹیٹوے پر ہاتھ ڈال دیا۔

''چیں۔'' اس سایے نے ایک مری ہوئی آہ بھری اور چھمن میاں نے غنیم کو قالین پر دے مارا۔

چوڑیوں اور جھانجنوں کا ایک زبردست چھناکا ہوا۔ انہوں نے لپک کر بجلی جلائی' حملہ آور سٹ سے مسہری کے نیچے گھس گیا۔

''کون ہے بے تو۔'' چھمن میاں چلائے۔

''جی میں' حلیمہ۔''

''حلیمہ۔ اوہ!'' وہ ایک دم بھس سے قالین پر بیٹھ گئے۔

''یہاں کیا کر رہی ہے۔''

''جی کچھ نہیں۔''

''تجھے کس نے بھیجا تھا۔ خبردار جھوٹ بولی تو گدی سے زبان کھینچ لوں گا۔''

''نواب دلہن ...نے۔'' حلیمہ کانپی۔

''اف پیاری اور ان کی جان کی دشمن!'' ایک دم ان کا دماغ قلانچیں بھرنے لگا۔ کئی دن سے امی انہیں عجیب عجیب نظروں سے دیکھ کر نایاب بوبو سے کانا پھوسی کر رہی تھیں۔ نایاب بوبو ایک ڈائن ہے کمبخت۔ بھائی جان بھی

گستاخ نظروں سے دیکھ دیکھ کر مسکرا رہے تھے۔ان سب کی ملی بھگت معلوم ہوتی ہے۔
نوابوں کے خاندان میں کیا کچھ نہیں ہوا کرتا۔ چچا دادا نے کئی بار ابا حضور کو سنکھیا دلوانے کی کوشش کی۔ بدمعاش ان کی جان کو لگا دیئے کہ جائیداد پر قبضہ کر کے سب ہضم کر جائیں۔ رفاقت علی خاں کو ان کے سگے ماموں نے زہر دلوا دیا۔خود ان کی چہیتی لونڈی کے ہاتھوں۔ لعنت ہے ایسی جائیداد پر۔
شاید پیاری امی اپنی ساری جائیداد بڑے صاحبزادے کو دینا چاہتی ہیں کہ اپنی بھتیجی بیاہ کر لائی ہیں نا' اس لیے اس کی جان کی دشمن ہو رہی ہیں۔
چھمن میاں کو جائیداد سے کوئی دلچسپی نہ تھی۔ اسامیوں کی ٹھکائی کرنا' انہیں گھر سے بے گھر کر کے جیسے تیسے لگان وصول کرنا' ان کے ڈھور ڈنگر نیلام کروانا انہیں وحشت ہوتی تھی ان حرکتوں سے۔
اُف دنیا میں کسی کا بھروسہ نہیں۔ اپنی ماں اگر جان کی دشمن ہو جائے۔ ویسے ہی ہر وقت ٹوکتی رہتی ہیں۔ یہ نہ کرو' وہ نہ کرو۔ اتنا نہ پڑھو اتنا نہ کھیلو اتنا نہ جیو۔
''چاقو کہاں ہے۔'' چھمن میاں نے کہنیوں کے بل جھک کر پوچھا۔
''چاقو۔''
''ہینڈز اپ۔'' چھمن میاں نے جاسوسی انداز میں کہا۔
''ایں۔'' حلیمہ چکرائی۔
''الو کی پٹھی ہاتھ اوپر۔''
حلیمہ نے ہاتھ اوپر اٹھائے تو اوڑھنی پھسل گئی۔ جھینپ کر اس نے ہاتھ دبوچ لیے۔
''پھر وہی بدمعاشی' ہم کہتے ہیں ہاتھ اوپر۔''
''اوں کائیکو۔'' وہ اٹھلائی۔
''کائیکو کی بچی۔ چاقو کہاں ہے۔''
''کیسا چاقو۔'' حلیم چڑ گئی۔
''تو پھر کیا تھا تیرے ہاتھ میں۔''
''کچھ بھی نہیں' اللہ قسم کچھ بھی نہیں تھا۔''
''تو پھر...... پھر کیوں ہے یہاں۔''

http://sohnidigest.com

''نواب دلہن نے بھیجا ہے۔'' حلیمہ نے دبی زبان سے کہا اور آنکھیں جھکا کر اپنی نتھنی کا موتی گھمانے لگی۔

''کیوں۔'' چھمن میاں سہم گئے۔

''آپ کے پیر دبانے کے لیے۔'' وہ مسہری سے ٹک گئی۔

''لاحول ولاقوۃ...... چل بھاگ یہاں سے۔'' انہوں نے حلیمہ کی شریر آنکھوں سے گھبرا کر کہا۔

حلیمہ کا چہرہ بسک گیا' ہونٹ کانپے اور وہ قالین پر گھٹنوں میں سر دے کر پھوٹ پڑی۔

''او ہو رو کیوں رہی ہے۔ بے وقوف گدھی کہیں کی۔''

مگر حلیمہ اور رونے لگی۔

''حلیمہ' پلیز حلیمہ...... خدا کے لیے رو مت اور جا...... ہمیں صبح کالج ذرا جلدی جانا ہے۔''

حلیمہ پھر بھی روئے گئی۔

دس برس ہوئے تب بھی حلیمہ اسی طرح روئے جا رہی تھی اس کا باپ اوندھے منہ لیٹا تھا' اس کے منہ سے خون بہہ رہا تھا مگر وہ خون بہت لال تھا۔ اس میں گلابی گلابی گوشت کے ٹکڑے سے ملے ہوئے تھے جو بابا روز بلغم کے راستے اگلا کرتا تھا۔

اسے کلیجے سے لگائے جھوم جھوم کر بین کر رہی تھی۔ پھر سب نے ابو کو سفید کپڑوں میں لپیٹا اور اسپتال لے گئے۔ لوگ اسپتال جا کر پھر نہیں لوٹا کرتے۔

اور اس دن بھی وہ اسی طرح روئے جا رہی تھی جس دن اس کی اماں نے اسے نواب دلہن کی پٹی تلے ڈال کر اناج سے جھولی بھر لی تھی اور جاتے وقت پلٹ کر بھی نہ دیکھا تھا۔

غلام گردش کے احاطے میں حلیمہ جھوٹن کھا کر پلتی رہی اسے نواب دلہن کے والان تک رینگ کر آنے کی اجازت نہ تھی۔ گندگی اور غلاظت میں وہ مرغیوں اور کتے کے پلوں کے ساتھ کھیل کود کر بڑی ہوئی۔

بے حیا موئی حلیمہ جیتی گئی۔ نایاب لولو کا دس بارہ برس کا لونڈا اجبار کیا دھواں دھواں موتی کو پیٹا کرتا تھا کبھی چمٹے سے پیر داغ دیتا' کبھی آنکھوں میں نارنگی کا چھلکا نچوڑ دیتا اور کبھی خالہ کی نسوار کی چٹکی ناک میں چڑھا دیتا۔ حلیمہ گھنٹوں بیٹھی مینڈکی کی طرح چھینکیں مارا کرتی۔ سارا گھر ہنس ہنس کر دیوانہ ہو جاتا۔

اب بھی ستائے سے باز نہیں آتا تھا۔ ڈیوڑھی پر کچھ دینے گئی چٹکی بھرلی' ہتھینی پکڑ کے ہلا دی۔ کبھی چوٹی کھینچ لی۔ بڑی چلتی رقم تھا نواب صاحب کا تخم تھا نا۔ ان کا بڑا منہ چڑھا تھا۔

نایاب بوبو ایک باندی تھیں۔ کسی زمانے میں بڑی دھاردار نواب صاحب یعنی چھمن میاں کے والدین پر بری طرح لٹو ہو گئے وقتاً فوقتاً نکاح کی دھمکیاں بھی دے دیا کرتے تھے۔ مگر وہ ایک گھاگ تھیں۔

باندی کا نکاح ہو جائے' چاہے نہ ہو' کوئی فرق نہیں پڑتا۔ کوئی سرخاب کے پر نہیں لگ جاتے۔ خاندانی نواب زادیاں مرجائیں گی' ساتھ نہ بیٹھائیں گی۔ قاضی کے دو بولوں میں اتنا دم درود نہیں کہ چٹانوں میں سوراخ کردیں یا دال روٹی کے سوال کو حل کردیں۔

نایاب بوبو کے محل میں بڑے ٹھاٹ تھے۔ بجائے بیگم کی سوت بننے کے وہ نہایت جانفشانی سے کوشش کر کے ان کی مشیر خاص اور گوئیاں بن گئیں اور نواب صاحب پر کچھ ایسا جادو کا ڈنڈا گھمایا تھا کہ انہوں نے ان کے بیٹے جبار کے نام معقول اراضی اور باغات کر دیئے تھے۔ سارے نوکر اس سے لرزتے تھے' بوسکی کی قمیص اور ولاتی پتلون چڑھائے ڈٹا پھرتا تھا نام کو ڈرائیور تھا مگر رعب سب پر جماتا تھا۔ اندر بوبو اور باہر جبار جو نصیبوں کا مارا ان دو پاٹوں کے بیچ آ جاتا ثابت بچ کر نہ جاتا۔

☆☆☆

حلیمہ روئے چلی جارہی تھی۔

چھمن نے ڈانٹا تو یہ ریزہ ریزہ ہو گئی۔ تھک کر چمکارا تو بالکل ہی بہہ گئی اس کے سر و ہاتھ پکڑ کر فرش سے اٹھایا تو ٹوٹ کر ان کے سینے سے لگ گئی۔

اللہ! جاڑوں کی ہوش ربا راتیں۔ طوفان کی گھن گرج اور چھمن کے ناتجربہ کار ہاتھوں میں بکھری ہوئی حلیمہ۔

یار لوگوں نے لونڈیوں کو ٹھکانے لگانے کے کتنے گر بتائے تھے۔ مگر حماقت کہیے یا چھوٹے نصیب' چھمن نے ہمیشہ لغویات کہہ کر سنی ان سنی کردی۔ اپنی کورس کی کتابوں اور کرکٹ کے علاوہ ان کی کسی بھی شے سے گہری شناسائی نہ تھی۔ کڑکڑاتے جاڑوں میں روئے کی ڈلی حلیمہ نے انہیں جھلس کر رکھ دیا۔ ہاتھ جیسے سریش کی تھالی میں چپک گئے۔

پھر نہ جانے دماغ کے کس کونے میں نشتر سا لگا! اچھل کر دور جا کھڑے ہوئے۔ غصہ سے تھر تھر کانپنے لگے۔

باہر طوفان رکنے کا نام نہیں لے رہا تھا اور حلیمہ کی سسکیاں تلاطم برپا کیے دے رہی تھیں۔

''حلیمہ مت رو پلیز!'' وہ تنگ آ کر اس کے سامنے اکڑوں بیٹھ گئے۔ جی چاہا اس کے سینے پر سر رکھ کر خود بھی دھاڑیں مار مار کر روئیں' مگر ڈر تھا کہ پھر سر وہاں سے اٹھنے کا نام نہ لے گا۔ اپنے کرتے کے دامن سے اس کے آنسو پونچھے اسے اٹھایا اور اس سے پہلے کہ وہ کچھ سمجھ پائی باہر دھکیل کر اندر سے کنڈی چڑھائی۔

نیند تو حلیمہ کے آنسو بہالے گئے تھے۔ صبح تک چھمن میاں لحاف میں پڑے کانپتے رہے اور زہر میں بجھے آنسو بہاتے رہے۔

باہر جھنجلائی ہوئی ہوا بگڑ کر پیڑوں سے لڑتی رہی' الجھتی رہی کراہتی رہی۔

نایاب بوبو نے سلام پھیرا اور دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے۔ جائے نماز کا کونہ پلٹ کر وہ اٹھیں اور ہولے سے دروازہ کھول کر جبار کے کمرے میں جھانکا۔ بیٹے کے وجیہہ جسم کو دیکھ کر ممتا سے ان کی آنکھیں بھر آئیں۔

دبے پاؤں وہ اندر گئیں۔ چھمن میاں کے والد نواب فرحت اور جبار کے باپ کی نئی باندی گل تار چوری چھپے روز جبار کے پاس آتی' نشانیاں چھوڑ جاتی تھی آج بھی لحاف میں سے دوپٹہ لٹک رہا تھا۔ انہوں نے دوپٹہ کھینچا' یہ نامراد کسی دن ناک چوٹی کٹوائے گی۔ اللہ جبار کو نظر بد سے بچائے ہو بہو باپ کا ناک نقشہ پایا ہے۔

اچانک نایاب بوبو فکر مند ہو گئیں۔ باپ کی لونڈی ماں برابر ہوئی کہ نہیں۔ فتویٰ لے لیا جائے عالم صاحب سے تو جی کا ہول کم ہو۔ یہ کیا کہ دنیا تو گئی' عقبےٰ میں بھی انگارے ہی انگارے۔ نگوڑی گل بہار کا بھی کیا قصور' کہاں وہ بواسیر کے مارے کھوسٹ نواب فرحت اور کہاں یہ کڑیل جوان۔ رات کیا چھکی پھکی روتی تھی۔ کواڑ بھیڑنے کا بھی ہوش نہیں اس لڑکے کو...... بوبو کی نیند کچی نہ ہو تو نہ جانے کس کی نظر ہی پڑ جائے۔ اللہ پاک سب کا رکھوالا ہے۔

نایاب بوبو نے جبار کے لیے باقاعدہ باندیاں خریدیں' جاپے میں جاتی رہی' دوسری مہتر کے لونڈے کے ساتھ نکل گئی۔ اس حرافہ نے جی کا چین اڑا دیا تھا۔ شریف گھرانوں کی باندیاں ایسی اچھال چھکا نہیں ہوتیں۔

کئی بار چاہا کہ بیگم سے حلیمہ مانگ لیں' مگر ہمت نہ پڑی۔

''نہیں' حلیمہ تو میرے چھمن کے لیے ہے۔'' بیگم کو ضد ہے آج ان کی ضد پوری ہوگی۔ ویسے جبار کو مسی لونڈیاں پسند بھی نہیں۔ باپ کی طرح تیکھا مرچ چاہیے۔

بڑبڑاتی ہوئی نایاب بوبو باندیوں کے کوٹھے میں پہنچیں تو ان کا کلیجہ دھک سے رہ گیا۔

حلیمہ سردری کی رضائی میں دبکی پڑی تھی۔ سلیپر کی نوک سے انہوں نے حلیمہ کے جھانجھن میں ٹھوکر ماری اور رضائی کا کونہ پکڑ کر کھینچ لیا۔

حلیمہ گھبرا کر جاگ پڑی اور غافل سوئی ہوئی سردری کے نیچے سے اپنا دوپٹہ کھینچنے لگی۔

بوبو کی چیل جیسی آنکھیں حلیمہ کے جسم پر ٹانکے بھرنے لگیں۔ حلیمہ چوروں کی طرح سر جھکائے میلی توشک میں لگے ٹانکے گننے لگی۔

''میں نے کیا کہا تھا تجھ سے۔''

''جی بوبو۔''

''تو۔''

حلیمہ چپ رہی۔

''اری نیک بخت منہ سے تو کچھ پھوٹ' کیا بولے۔''

''ان کے پیروں میں درد نہیں تھا۔'' حلیمہ کا سر جھک گیا۔

''ہوں۔'' بوبو تسبیح گھماتی ہوئی مڑ گئیں۔ دل میں آپ ہی آپ کلیاں کھلنے لگیں خیر سے...... بس اب تو نواب فرحت کا نام چلانے والا جبار رہ گیا۔ خدا کی شان سے بڑے صاحبزادے کا بھی کوئی قصور نہ تھا۔ نگوڑی صنوبر اتنی ہی عمر لے کر آئی تھی' مشکل سے چودھواں سال لگا ہوگا کہ صاحبزادے کو پیش کر دی گئی کیا پھول سی بچی تھی' ہمیشہ کی دھان پان' ماں باپ کا پیار ملتا ایک نہ ایک دن بابل کا گھر چھوڑ شہنائیوں کے رسیلے سر کانوں میں بسائے سسرال سدھار جاتی۔ جہاں دو دل ملتے ایک گھر بنتا ایک دنیا بستی۔

صنوبر کو بچپن سے ہی دلہن بننے کا ارمان تھا۔ جب دیکھو باندیاں جمع ہیں بڑی نجل سی بچی تھی۔

چھوٹی ہڈی' کھنچا ہوا بدن' چھوٹے ہاتھ پیر' ننھے منے چھدرے دانت' دیوی کی باندی ہے۔ ماموں جان سے بیٹے کے لیے مانگ کے لائی ہیں۔

یہ کون کہتا ہے صنوبر کو احساس تھا کہ ہر عورت دلہن بننا چاہتی ہے۔ باندی ہے تو کیا عورت نہ ہے' اس کے سینے میں بھی دل ہے ارمان ہیں سرشام ہی سے انہوں نے صنوبر کو نہلا دھلا کر صاف ستھرا پیازی جوڑا پہنایا اپنے ہاتھوں سے مہندی توڑ کر پسوائی' خوب میں ٹول کا موباف ڈالا۔ سہیلیاں کانوں میں الٹی سیدھی کھسر پھسر کر کے اسے ستاتی رہیں جب پیروں سے اٹھا کر چھمن میاں کے بڑے بھائی حشمت میاں نے اسے کلیجے سے لگایا تو نگوڑی نے ننھا سا گھونگھٹ نکال لیا تھا۔

چودہ برس کی صنوبر جس نے حشمت میاں کا منہ دیکھ کر جانو ملک الموت کا ہی منہ دیکھ لیا۔ سال کے اندر گابھن ہوگئی پھیکی کسیلی مرگھلی سی بچی' سارا دن منہ اوندھائے پڑی ابکائیاں لیا کرتی۔ اللہ لوگوں کے کیسے کیسے ناز نخرے ہوتے ہیں' میکے سسرال والے سے ہاتھ جڑوا لیتی تھی تب ذرا مسکراتی تھی۔ ایک ایک پیار کے لیے ناک رگڑواتی تھی جب جی سے اتری تو میاں گھن کھانے لگے۔ محل کا دستور تھا جب گائیں بھینسیں گابھن ہو جاتی تھیں تو انہیں گاؤں بھیج دیا

جاتا تھا۔ دودھاری ہوئی کہ واپس بلالی گئیں۔ لونڈیاں باندیاں بھی جب بے کار ہو جاتی تھیں تو گاؤں ڈلوادی جاتی تھیں بچہ جن کے وہیں پلنے کو دے آتی تھیں تاکہ محل والوں کو کاؤں کاؤں سے وحشت نہ ہو۔

بڑا فیل مچاتی تھیں نامرادیں' بھینس کی طرح بچھڑے کی یاد میں آراتیں' دودھ بھر کے بخار چڑھتے تب انہیں کسی بیگم کا بچہ ہلگا دیا جاتا۔ دودھ پلائی کے عیش اٹھانے کو ملتے اپنا بچہ بھول کر اسی سے مانوس ہو جاتیں مگر نواب زادیاں گائے بکریوں کی طرح تھوڑے ان کے لیے بچے جننے بیٹھیں گی۔ زیادہ تر رو پیٹ کر خشک ہو جاتیں اور پھر کام سے لگا دی جاتیں۔ مگر صنوبر اڑ گئی کہ گاؤں نہیں جاؤں گی۔ نایاب بوبو نے بہترا سمجھایا پر بیگم کے قدم سے لپٹ گئی' بوبو دنیا دیکھے ہوئے تھیں۔ لونڈیوں سے انہیں نفرت بھی تھی کہ اپنے وجود سے ہی نفرت تھی مگر ان سے ہمدردی بھی تھی۔

مگر صنوبر کی گھڑی آ گئی تھی نہ مانی اور حشمت میاں کا منہ کڑوا کرتی رہی' کوئی دوسری سمجھاتی تو اس کا منہ نوچ ڈالتی۔

ایک دن نجانے کس بات پر زبان چلانے لگی۔ صاحبزادے کو تاؤ آ گیا۔ ایک لات جو کس کے رسید کی تو گری جا کے ہودی میں' بے ڈھب پڑ گئی لات۔ تین دن بھینس کی طرح اڑاتی رہی۔ کوئی ڈاکٹر بلاتے تو فضیتا کھڑا ہو جاتا' پیٹ میں بچہ مر گیا تھا لوگ ویسے ہی دشمن ہیں۔ خیر سے تیسرے دن صنوبر نے غلام گردش کی سب سے تاریک کوٹھری میں دم توڑ دیا۔

صنوبر تھی پورم پور جادوگرانی نجانے کیا کر گئی کہ چار سال حشمت میاں کی شادی کو ہو گئے مگر اولاد کا منہ دیکھنا نصیب نہ ہوا۔ کیسے کیسے علاج ہوئے تھے' تعویذ گنڈے ہوئے ہزاروں پر میں چڑھا میں۔ مندروں میں دیے جلائے۔ دلہن بیگم کا پیر بھاری نہ ہونا تھا نہ ہوا۔ سچ کہ جھوٹ دشمن بیری کہتے ہیں' صاحبزادے نے بھری کوکھ لات ماری تھی اس کارن نامراد ہو گئے جب ہی تو بیگم دلہن کو ہسٹیریا کے دورے پڑتے ہیں اور دوڑ دوڑ کے میکے جاتی ہیں۔ وہاں ان کے خلیرے بھائی سنا ہے بڑے عمدہ ڈاکٹر ہیں وہی ان کا علاج کر رہے ہیں اور سنا ہے کچھ اور کھٹ پٹ بھی ہے دونوں میں۔

نایاب بوبو نے ٹھنڈی سانس بھری بیگم نواب کا منہ ہاتھ دھلانے کے لیے گرم پانی سمویا اور ان کی خواب گاہ کی طرف چل دیں۔

بیگم نواب کو پہلے تو نایاب کے وجود سے کوفت ہوئی تھی مگر جب وہ قدموں میں بچھ گئی اور یقین دلایا کہ نواب

http://sohnidigest.com

دولہا کی باندی نواب دولہن کی باندی ہے۔ وہ کوئی رنڈی خانگی نہیں۔ نہ ٹکوں سے خریدی لونڈی ہیں، نجانے پشتہا پشت سے کتنے نوابوں کا خون ان کی رگوں میں موجزن ہے۔ ناچار بیگم کو ماننا پڑا۔ ویسے اب کچھ اندھیر بھی نہ تھا۔ خاندان کے سب مرد ادھر ادھر منہ مار لیتے ہیں تاہم نایاب نے بھی کبھی حد سے آگے پیر نہ نکالے نواب کے میٹھے بول اس کان سنی اس کان اڑا دیتی۔ جب نواب منور مرزا کے چکر میں پھنسے تو انہوں نے باقاعدہ بیگم کے ساتھ مل کر مورچہ سنبھالا بیگم کی بے دخلی پر خوش ہونے کی بجائے آٹھ آٹھ آنسو روئیں ان کا اور بیگم کا نواب سے اٹوٹ ناطہ تھا۔ مگر نکھیائی کون ہوتی ہے جاگیر کے کوڑے کرنے والی وہ تو چلتی ہوا کا جھونکا تھا آج اس رخ کل اس رخ۔

انہوں نے بیگم کے ساتھ مل کر محاذ پر بہت حکمت عملی سے کام لیا اور طرحدار خان کو راکھی باندھ کر بیگم نواب کا بھائی بنا دیا۔ طرحدار خان منور کو ساتھ لے کر پیرس چلا گیا اور جب منور غارت ہوئی تو نایاب نے اپنے ہاتھوں سے سجائی بیگم کو از سرنو دلہن بنایا انہوں نے بیگم کو پھولوں کے گہنے کے ساتھ دو موتی بھی کان میں ڈال دیئے کہ نواب فرحت کو کیسے خوش کرنا ہے اور غلام گردش کی اندھیری کوٹھری میں جبار کو کلیجے سے لگائے ساری رات آنکھوں میں کاٹ دی۔

وہ دن اور آج کا دن نایاب بوبو نے بیگم نواب کی خدمت نہ چھوڑی۔

بوبو کو منہ لٹکائے دیکھ کر بیگم نواب کا ماتا پھٹکا۔

"خیریت تو ہے۔"

رک رک کر بوبو نے تمام تفصیل بتائی بیگم کے پیروں تلے سے زمین کھسک گئی فوراً جبار کو موڑ دے کر بھیجا کہ حکیم کو لائے۔ حکیم صاحب بولے۔

"پریشان ہونے کی کوئی وجہ نہیں دلہن بیگم بچہ نہ تجربہ کار ہے کمسن ہے پھر بھی احتیاطاً کچھ مقویات مع تفصیل کے غلام صاحبزادے کی خدمت میں بھجوا دے گا۔ اس کے علاوہ سرکار ہو سکتا ہے کو کسی وجہ سے کراہیت آتی ہو بعض وقت ماحضر کچھ اس ڈھنگ سے پیش کیا جاتا ہے کہ رغبت نہیں ہوتی اس کا یہ مطلب نہیں کہ معدہ ناکارہ ہو چکا ہے۔"

حکیم صاحب نے عرض کیا۔

"میں پہلے ہی کھٹکی تھی حضور لونڈیا میں کچھ کھوٹ ہے، نوابزادوں کے مزاج کے لائق نہیں، سوکھی ماری مرگھلی، میری مانیے تو سرکار اس نامراد کو باقر نواب کو دے ڈالیے کئی بار کہہ چکے ہیں ان کے ولائتی کتوں کی جوڑی حشمت میاں کو پسند ہے۔ وہ منشی تبدیل کر دیں گے۔" بوبو بیگم کی پنڈلیاں دبانے لگیں۔

http://sohnidigest.com

''اے ہے نوج' میں موئی کو زہر دیدوں گی' مگر اس کوڑھی کو نہ دوں گی ہوا سڑ رہا ہے سر پہ۔''

''ایسا اندھیر تو خاندان میں کبھی نہیں ہوا کہ لونڈی جائے اور صحیح سلامت لوٹ آئے۔''

''تکلفات کا خیال کیے بغیر ہی پیش دستی کر بیٹھتے ہیں' کہیں بھائی بھائی میں رقابت نہ ٹھن جائے اس لیے سگھڑ بیگمیں احتیاط سے بٹوارہ کر دیتی ہیں پھر مجال ہے جو دوسرے کی باندی پر کوئی دانت لگائے' بالکل قانونی حیثیت ہوتی تھی اس گھریلو فیصلے کی۔''

''میں تو عاجز ہوں اس لڑکے سے۔ اٹھارہ انیس کا ہونے کو آیا کیا مجال جو کسی لونڈی باندی کو چھیڑا ہو کہ چنگی بھری ہو' ہمارے بھائی تو ادھر دس بارہ کے ہوئے اور خرمستیاں شروع کر دیں سولہ سترہ کے ہوئے اور پھیل پڑے اے نایاب نگوڑی ڈھنگ سے نہائی دھوئی بھی تھی کہ تم نے ہلدی لہسن میں سڑتی ہوئی میرے بچے کی جان پر تھوپ دی۔'' بیگم نواب بولیں۔

''اے حضور مجھے اناڑی سمجھا ہے۔ اللہ کی عنایت سے ان ہاتھوں نے کیسی کیسی باندیاں سنواری ہیں امام حسین کی قسم میری سنواری لونڈیا کی ایڑی دیکھ کر مرد ذات کوہ قاف کی پری کو نہ پوچھے' حشمت میاں فرنگن سے چھننے کو ہو رہے تھے مگر میرے ہاتھ کی صنوبر سورات ہوئی کہ نہیں۔'' بوبوا پنے فن پر آنچ آتے دیکھ کر بڑی چراغ پا ہوئیں۔

''اے قربان جاؤں بیگم' آپ کا لال جوانوں کا جوان ہے۔ دن بھی تو اب خراب ہیں۔ پچھلے دنوں بھاری قیمت دے کر دو باندیاں افضل نواب نے خریدیں۔ پولیس نے ناطقہ بند کر دیا۔ بہت کچھ کھلایا پلایا بہت کہا کہ اللہ نام پر غریب لڑکیوں کی پرورش کر رہے ہیں مگر لڑکیاں کسی ہوم سوم میں اللہ ماری پہنچا دی گئیں ڈیڑھ ہزار پر پانی پھر گیا اب نئی باندی ملنا بھی تو مشکل ہے۔''

''ارے تیری جنگ شروع ہوتی تو بھی محل میں ایسا طوفان نہ مچتا بات مہکتی ہوئی سارے خاندان میں پہنچ گئی جانو ہر چہار طرف سنپولیے چھوٹ گئے ایک سے دوسرے منہ تک جانے میں کتنی دیر لگتی ہے جس سنا چھاتی کوٹ لی۔''

''ہے ہے چھمن میاں۔''

افضل میاں کو پتا چلا پائنچہ پھڑکاتے پیک کا غرارہ منہ میں سنبھالے آن پہنچے اور سیدھے چھمن کی جان پر ٹوٹ پڑے۔

''اوئی ماں' ہمیں کیا معلوم تھا یہ قصہ ہے ورنہ تمہاری بھابھی کا پھندا کاہے کو گلے میں ڈالتے' جان من اب بھی کچھ نہیں گیا ہے بندہ حاضر ہے۔'' کسی زمانے میں وہ چھمن پر بری طرح لٹو ہو گئے تھے۔ بڑے سرکار نے گولی مار

http://sohnidigest.com

دینے کا الٹی میٹم دیا تب ہوش میں آئے' چھمن ان سے بے طرح چڑتے تھے۔

''بکواس مت کیجیے ایسی کوئی بات نہیں اصل میں مجھے یہ باتیں پسند نہیں میرا مطلب ہے بغیر نکاح ناجائز ہے۔''

''مگر سرکار باندی تو جائز ہے۔''

''بالکل جائز نہیں۔''

''اس کا مطلب یہ ہوا کہ ہمارے جدامجد سب کے سب حرامکار تھے۔ ایک آپ پیدا ہوئے ہیں متقی پرہیز گار۔''

''میرا خیال ہے کہ۔''

''آپ کا خیال سالا کچھ نہیں کبھی ارکان دین کا مطالعہ فرمایا ہے۔''

''نہیں تو مگر...... یہ بات عقل میں نہیں۔''

''پتھر پڑ گئے ہیں آپ کی عقل مبارک پر معلوم ہے نہیں کچھ اور آئیں بائیں شائیں ہانکنے لگے۔''

''مگر قانوناً جرم ہے۔''

''ہم یہ کافروں کے قانون کو نہیں مانتے' ہم خدا ذوالجلال والاکرام کے حکم پر سرِ تسلیم خم کرتے ہیں۔ ہمارے ہاں لونڈی غلام کے ساتھ اولاد جیسا سلوک کیا جاتا ہے۔ نایاب کو دیکھو ملکہ بنی راج کر رہی ہے۔ ان کے بیٹے کو کسی چیز کی کمی نہیں سب ہی باندیوں پر چربی چڑھ رہی ہے ہاں تمہیں سوکھا مارا مال دیا گیا ہے تو میاں سروری لے لو دنبہ ہو رہی ہے۔''

''ہشت۔''

''ہم کہتے ہیں آخر معاملہ کیا ہے۔''

''کچھ معاملہ نہیں' آپ مہربانی فرما کر میرا بھیجا نہ چاٹیے۔''

''تمہاری مرضی تم کو جگ ہنسائی کا شوق ہے تو کون روک سکتا ہے تمہاری مرضی اور سرکار شاید آپ کو پتا نہیں کہ آپ کی منگیتر۔''

''میری کوئی منگیتر ونگیتر نہیں۔''

''ابھی نہ سہی ہو تو جائیں گی۔ وہ حرمہ خانم اس تھدرے سے بہت میل جول بڑھا رہی ہیں' منصور سے۔''

''تو میں کیا کروں۔''

''بتاؤں کیا کرو ابھی صدر کی طرف کو جا رہا ہوں منہارن کو بھیجے دیتا ہوں بھر کلائیاں چوڑیاں پہن لو اور کیا۔''
انہوں نے پیک بھر قہقہہ مارا۔
''جہالت' سب جہالت کی باتیں ہیں۔''
''ہمارے قبلہ و کعبہ جاہل تھے۔''
''ہوں گے مجھے کیا پتا۔''
''ابے کیوں گھاس کھا گئے ہو بزرگوں نے کچھ سوچ سمجھ کر ہی رواج بنایا اب تک ہمارے خاندانوں میں اسی پر عمل ہوتا چلا آیا ہے باندی مل جائے تو جوان لڑکے بے راہ نہیں ہوتے' بری لتوں سے بچتے ہیں' صحت اچھی رہتی ہے۔''
''یہ سب حرام کاری کو جائز بنانے کے ہتھ کنڈے ہیں۔''
''تم کفر بک رہے ہو۔ مذہب کی توہین۔''
''ارے جا یے بڑے مذہب والے آئے' مذہب کی بس ایک ہی بات دل پر نقش ہے۔''
''نالائق بھی ہو اور بدتمیز بھی۔ لاحول ولا میری بلا سے تم جہنم میں جاؤ۔''

☆☆

رات کو خاصا چنا گیا تو نایاب بو بو نے بڑے اہتمام سے چاندی کی چمچی میں معجون مرکب جواہر والا چاندی کے ورق میں لپیٹ کر پیش کیا حکیم صاحب کی ہدایات کا پرچہ چھمن نے بے پڑھے پھاڑ دیا تھا اور سروری کو ڈپٹ بتائی تھی چھمن کا جی چاہا کہ قاب میں ڈوب مریں۔ انہوں نے معجون کو ہاتھ مار کر گرا دیا اور پیر پٹختے اپنے کمرے میں چلے گئے' ساری دنیا ان کو نامرد سمجھ رہی تھی۔
انہوں نے اب تک جتنی علمی اور ادبی کتابیں پڑھی تھیں سب ہی میں بغیر شادی کیے کسی عورت سے تعلقات رکھنے والے کو زانی اور بدکار کہا گیا تھا۔
باہر پھر آج ہوا بپھری ہوئی ڈائن کی طرح ہونک رہی تھی کھڑکی کے شیشے پر ایک کمزور سی ٹہنی بار بار سر پٹخ رہی تھی جیسے ہوا سے بچ کر اندر چھپنے کے لیے دستک دے رہی ہو بڑی مشکل سے آنکھ لگی۔
ٹھنڈی ٹھنڈی بوندیں ان کے پیروں پر ٹپکیں تو گھبرا کر جاگ پڑے دل دھک دھک کرنے لگا۔
حلیمہ ان کے پیروں پر منہ رکھے سسک رہی تھی۔ جلدی سے انہوں نے پیر کھینچ لیے پھر وہی آنسوؤں کا طوفان'

http://sohnidigest.com

یہ لڑکی تو دشمن سے مل کر ان کے خلاف مورچہ بندی پر تلی ہوئی تھی۔ یہ لوگ انہیں ڈبو کر ہی دم لیں گے۔

"کیا ہے۔" انہوں نے ڈپٹا۔

"کیا میں اتنی گھناؤنی ہوں کہ سرکار کے پیر بھی نہیں چھو سکتی۔" حلیمہ کراہی۔

"بھئی یہ کیا گدھا پن ہے۔ جاؤ ہمارے کمرے سے۔"

"نہیں جاؤں گی کیا سمجھا ہے مجھے باندی ہوں کوڑھن تو نہیں۔ سارا محل میرے جنم میں تھوک رہا ہے۔ میرا مذاق اڑایا جا رہا ہے کہ آپ کو مجھ سے گھن آتی ہے میں آپ کے لائق نہیں' کل سے سروری آپ کی خدمت گزاری پر مقرر کی جائے گی۔"

"ہم اس سور کو بہت ماریں گے' ہمیں خدمت گزاری کی کوئی ضرورت نہیں۔"

"ہو جائے گی ضرورت' حکیم صاحب فرماتے ہیں کہ۔"

"جھک مارتے ہیں حکیم صاحب الو کے پٹھے۔"

"تو میں کیا کروں۔"

"جاؤ ہو جاؤ بہت رات ہو گئی۔"

"میرے لیے کیسا دن اور کیسی رات' پر اتنا تو احسان کیجیے مجھے زہر ہی لا دیجیے۔"

"ہم کیوں لا دیں زہر۔ بے وقوف' کیسی باتیں کر رہی ہے خودکشی گناہ ہے۔"

"تو پھر باقر نواب کی آگ میں جا کر جلوں انہیں گرمی کی بیماری ہے چھوٹے میاں۔" حلیمہ پھر دریا بہانے لگی۔

"باقر نواب ان کم بخت کا ذکر کیا ہے۔"

"انہیں کا تو ذکر ہے آپ سروری کو قبول کر لیجیے' مجھے ان کے ہاتھ بیچا جا رہا ہے۔ ولائتی کتوں کی جوڑی کے عوض جو اٹھارہ سو کی تھی۔"

"افوہ کیا بکواس ہے۔"

"باقر نواب اندر سے سڑ رہے ہیں' مہترانی بوبو سے کہہ رہی تھی بوبو کو تو مجھ سے بیر ہے' میں نے بار کے منہ پر جوتی ماردی تھی۔"

ٹھنڈے دل سے حلیمہ نے سمجھایا تو غصہ سے کانپنے لگے۔ ان کا جی چاہا حلیمہ کے آنسو اپنے دامن میں سمیٹ لیں مگر اسے ہاتھ لگاتے جی بہکتا تھا کہ ہاتھ لگا تو چھوٹنا مشکل ہو جائے گا۔

''کیا تم مجھ سے شادی کرنا چاہتی ہو۔'' انہوں نے پوچھا۔

''میرے اللہ ساری دنیا کو معلوم ہے حرمہ بٹیا بچپن کی مانگ ہے آپ کی۔''

''اور تم۔''

''میں تو آپ کی باندی ہوں۔''

''تم ہماری باندی ہو تمہاری ماں تو باندی نہیں تھی نہ تمہارا باپ باندی زادہ تھا تم تو سیدانی ہو حلیمہ' تمہارے ابا کسان تھے۔''

''حلیمہ...... سنو حلیمہ......'' اس نے اس کے دونوں ہاتھ مٹھی میں پکڑ لیے۔ ''سنو تو ہم پیاری امی سے آج ہی کہیں گے کہ ہم حرمہ سے شادی نہیں کریں گے' ہماری شادی تم سے ہوگی۔''

''شادی!'' حلیمہ نے جھٹکے سے دونوں ہاتھ چھڑا لیے۔ ''توبہ توبہ آپ تو واقعی بچوں جیسی باتیں کرتے ہیں۔ یاد ہے الفت کا انجام' صادق نواب نکاح کر رہے تھے' زہر دلوا دیا بڑی بیگم صاحب نے۔ ہائے کیسی تڑپی ہے تین چار دن۔ دم ہی نہ نکلتا تھا موئی کا چھوٹے میاں' ایسا ہی ہے تو اپنے ہی ہاتھوں سے گلا گھونٹ دیجئے۔'' حلیمہ نے ان کے دونوں ہاتھ اپنے گلے پر رکھ لیے۔

وہی ہوا جس کا ڈر تھا' حلیمہ کا جسم گوند کا بنا ہوا تھا' چھمن کے ہاتھ الجھ گئے۔

''جاؤ...... جاؤ حلیمہ...... پیاری حلیمہ جا' جا......'' انہوں نے اسے سمیٹ لیا۔

☆☆

چھمن میاں کی تو ہر بات بے تکی اور نرالی ہوا کرتی تھی۔

سب ہی ان پر ہنستے تھے۔ کھلونوں سے کھیلتے ہیں' ان کی پوجا نہیں کرنے لگتے۔ بیگم نے اس صبح کیا اطمینان کی سانس لی تھی جب بوبو نے انہیں جھک کر سلام کیا اور جی کھول کر مبارک باد دی تھی۔ آٹھ بجے تھے اور ماشاء اللہ ابھی تک دروازہ بند تھا۔

پھر جب صاحبزادے کالج چلے گئے تو بیگم نے اپنی آنکھوں سے ثبوت دیکھ کر دو رکعت نفل شکرانے کے پڑھے۔ حلیمہ کو حرارت ہو گئی تھی۔ اپنی کوٹھڑی میں منہ اوندھائے پڑی تھی۔ بوبو آتے جاتے گندے مذاق کر رہی تھی۔ سارے محل میں غلغلہ تھا کہ چھوٹے میاں نے حلیمہ کو قبول کر لیا۔ دوسری باندیاں نکلتی پھر رہی تھیں۔ حلیمہ قسمت والی تھی کہ ایسا نجل' معصوم دولہا ملا۔ اپنی بات چیت میں باندیاں دولہا کہہ کر ہی دل کو سہارا دے دیا کرتی تھیں۔

http://sohnidigest.com

لڑکیوں کو دیکھ کر چھمن میاں کے ہمیشہ ہاتھ پاؤں پھول جایا کرتے تھے' مگر حلیمہ کو ایک بار چھو کر وہ کسی کام کے نہ رہے' خالی گھنٹہ ملا اور بھاگے چلے آ رہے ہیں۔ یار دوست چھٹی اتوار کے دن آتے ہیں' میاں بہانہ بنا رہے ہیں۔ مجھے پڑھنا ہے اور پڑھتے بھی تو حلیمہ کے زانوں پر سر رکھا ہوا ہے ہر فل اسٹاپ پر پیار کا نکتہ۔

''گنوار لٹھ' کاش ذرا سا پڑھ لیا ہوتا تو میرے نوٹ فیئر کر دیتی۔'' اور حلیمہ بیٹھی کوئلے سے زمین پر اے بی سی ڈی کاڑھ رہی ہیں۔

''میرے فونٹن پن میں سیاہی تو بھر دو یار۔''

سیاہی میں دونوں ہاتھ' ناک' منہ اوڑھنی رنگ گئی اور اوپر سے ٹسوے' بالکل گدھی ہے۔

بڑا اعلیٰ انتظام ہوا کرتا تھا' میاں کو ایک حصہ الگ محل کا دے دیا جاتا تھا۔ باندی سے پھر کسی اور کام کی توقع نہیں کی جاتی تھی' حلیمہ تو نایاب بوبو کی سدھائی تھی۔ بیگم کا منہ ہاتھ دھلانے پر ضد کرتی' پاندان پونچھنے سنوارنے' تازہ کتھا چونے بھرنے اور چھوٹے موٹے کام سے منہ نہ موڑتی۔

''اے بھئی بس اپنے چھوٹے سرکار کو سنبھالو۔'' بیگم اسے ٹالتیں' مگر وہ سر ڈھکے گردن جھکائے منہ سے ان کے پیر دباتی۔ ساس ہی تو ہوئیں۔ ان کا پوت بھی تو لونڈی کے پیر چومتا ہے۔

نئے جوڑے زیور سب ہی کچھ دیا جاتا تھا۔ بالکل علیحدہ گھر داری کا سا لطف آ جاتا تھا۔ جی چاہا تو اپنی طرف کے باورچی خانہ میں کوئی تازہ چیز جھٹ پٹ بگھار لی۔ روز مالن بھر ٹوکری پھول گجرے دے جاتی' مگر سیج پر پھول چھمن میاں کو کبھی نہ بھائے۔

''بھئی بڑا دکھ ہوتا ہے' پھولوں پر چڑھے لیٹے ہیں' بڑی بے رحمی ہے۔'' وہ سارے پھول سمیٹ کر حلیمہ کی گود میں بھر دیتے۔

نایاب بوبو ہی اپنے طوطے جیسی رٹ لگائے ہوئے تھیں کہ ادھر متلیاں لگیں' ادھر موئی مردار ہوئی۔ لوگ بیاہتا تک کو جی سے اتار دیتے ہیں تو باندی کی بھلی چلائی۔ چھمن کا جنوں اور لگن دیکھ کر بوبو سرور سے آنکھیں نیم باز کرتیں۔

''سوچتی ہوں اب کے خالی چاند میں نکاح ہو جائے مجھے کچھ فیروزہ خانم اکھڑی اکھڑی لگیں۔'' بیگم نواب اب چھمن میاں کی مردانگی سے مطمئن ہو کر بولیں۔

''کہنے والوں کے منہ میں خاک' سنتے ہیں حرمہ بٹیا بڑی آزاد ہو گئی ہیں۔'' بوبو نے اطلاع دی۔

''بیگم کہنے والوں کے منہ میں انگارے کہ کوئی ارشد میاں کا یار ہے۔ بہت آنا جانا ہے اس گھر میں۔''
''ہے ہے تم سے کس نے کہا۔''
''طرح دار خان کی دلہن بہت آتی جاتی رہتی ہیں۔ ان کی ممانی لگتی ہیں جو سوزن کاری سکھانے جاتی ہیں مریم بیٹا کو یہ کہہ رہی تھیں خوب گیند بلا ہووے ہے۔ اللہ رکھے اپنے میاں کی پڑھائی میں کون سے روڑے اٹکتے ہیں۔ میری مانیئے تو چھمن میاں کا حرمہ سے نکاح ہو جائے تو اچھا ہے۔''
''مگر لڑکا تو پیچھے پر ہاتھ نہیں رکھنے دیتا۔ کہتا ہے کہ حلیمہ سے ہی نکاح پڑھوا دو۔ میں نے کہا ہے اب تو کہا ہے پھر اگر یہ خرافات منہ سے نکالی تو اللہ قسم جان دے دوں گی۔''
''اے بیگم کہتے ہیں ان نوابوں کے قول و فعل میں کون سی سنگت۔ تیل دیکھئے تیل کی دھار دیکھئے۔ اسی اٹھوارے میں سیدھے تکا ہو جائیں گے۔ لونڈیا مجھے کچھ مری مری سی لگتی ہے۔''
بو بو سے محل کا کوئی راز پوشیدہ نہ تھا۔ گائے بھینس حتیٰ کہ شاید چوہوں تک کا پیر بھاری ہوا کہ بو بو نے تاڑ لیا۔ وہ تو مرغیوں کے لال منہ دیکھ کر بھانپ جاتی تھیں کہ کڑکی اتر گئی اور انڈا دینے والی ہے۔
''پیاری امی کیا حلیمہ گاؤں جا رہی ہے۔'' چھمن نے آخر وہ بد و پوچھ ہی لیا۔ حلیمہ کئی روز سے ٹسر ٹسر رو رہی تھی۔
''ہاں چندا نایاب بھی ساتھ جائیں گی۔ امی حضور سے میں کہلوا دیا ہے کہ تمہارے لیے نیبو کا اچار ضرور ارسال فرمائیں۔''
''مگر پیاری امی۔'' چھمن بولے۔
''حلیمہ کو کیوں بھیج رہی ہیں۔ میرے کپڑوں کی دیکھ بھال کون کرے گا۔''
''سروری ہے لطیفہ ہے۔''
''سروری لطیفہ نے میری کسی چیز کو ہاتھ بھی لگایا تو...... مجھ سے برا کوئی نہ ہوگا۔''
ہاں مگر حلیمہ کو کیوں بھیج رہی ہیں۔'' چھمن منمنائے۔
''ہماری مرضی۔ تم ان معاملوں میں کون ہوتے ہو دخل دینے والے۔''
''مگر پیاری امی۔''
''میاں ابھی تو ہم جیتے ہیں۔ قبر میں تھوپ آؤ تب من مانی کرنا۔'' پیاری امی کی آنکھوں میں سے چنگاریاں

چیخنے لگیں۔ ''اندرون خانہ کے معاملہ میں تمہیں کیا تمہارے باوا تک کو دخل نہیں' تمہیں آج تک تکلیف ہوئی ہے جو اب ہوگی۔ باندیوں کے معاملے میں بوبو کا فیصلہ ہی چلتا ہے۔''

''پیاری امی' حلیمہ باندی نہیں میری جان ہے۔ سیدزادی ہے۔ آپ نے خود بڑے شوق سے انتخاب فرما کر اسے میرے دل میں بھیجا اور کچے ناخنوں کو گوشت سے جدا کر رہی ہیں' کیوں۔ کون سی چوک ہوئی مجھ سے۔''انہوں نے کہنا چاہا' مگر جذبات نے گلا پکڑ لیا۔ حلق میں کانٹے چبھنے لگے اور وہ سر جھکائے اٹھ گئے۔

حلیمہ اپنے آنسوؤں سے خائف تھی...... یہ آخری چند دن وہ دھوم دھام سے گزارنا چاہتی تھی پھر زندگی وفا کرے نہ کرے۔ ابھی چار دن باقی تھے زندگی کے' ان چار سلونے دنوں کے لیے اس نے چار جوڑے نک سک سے تیار کیے تھے' عطر کی بو سے تے آ رہی تھی مگر جی پر پتھر رکھ کر اس نے بستر کی ہر تہہ کو بسا دیا تھا' بال دھو کر مسالہ کی خوشبو بسائی تھی ہاتھ پیر کی پھیکی مہندی کو اجاگر کر لیا اور بھر بھر ہاتھ چوڑیاں چڑھالی تھیں کیونکہ' کیونکہ چھمن میاں کو چٹ چٹ چوڑیاں توڑنے میں بڑا مزہ آتا تھا۔ وہ کتنی بھی توڑ ڈالیں' سہاگ کے نام کی دو چار بچ ہی جائیں گی۔

''گاؤں جانے کا غم نہیں۔'' چھمن نے اسے پھول کی طرح کھلے دیکھ کر پوچھا خود ان کا دل لہو ہو رہا تھا۔

''نہیں۔'' بوبو نے آنسو سے بہانے کو منع کر دیا تھا۔

''کیوں۔'' انہیں تاؤ آ گیا۔

''جلد ہی تو آ جاؤں گی۔''

''کتنی جلدی۔''

''تھوڑے دنوں بعد۔''

''کتنے ہوتے ہیں تھوڑے دن۔''

''بس چھ سات مہینے۔''

''چھ مہینے۔''

''آہستہ بولیے۔''

''ہم مر جائیں گے حلیمہ۔''

''اللہ نہ کرے' آپ کی بلائیں میرے سر میرے نوشاہ۔ بری فال منہ سے نہ نکالیے۔ اللہ اپنے رحم و کرم سے مجھے آپ کی خدمت کے لیے ضرور واپس لائے گا۔ سب ہی تو نہیں مر جاتیں صنوبر کی اور بات تھی۔ بڑے سرکار نے

لات ماردی تھی تو پلیٹ میں بچہ مرگیا ہائے میں مرجاؤں۔'' سہم کر اس نے منہ پر ہاتھ رکھ لیا یہ وہ کیا بک رہی تھی۔

''بچہ!'' چھمن تڑپ کر اٹھ بیٹھے۔

''نہیں نہیں چھوٹے میاں...... میں۔''

''میرے سر کی قسم کھا۔'' چھمن میاں نے اس کا ہاتھ اپنے سینے پر رکھ لیا۔

''نہیں اللہ نہیں۔''

''جھوٹی' حلیمہ۔'' انہوں نے جلدی سے کہا اور عجیب نظروں سے تکنے لگے۔ پھر مجرموں کی طرح سر جھکا لیا۔ گود میں ہاتھ رکھے بیٹھے رہے۔

''بچہ' ان کا بچہ زندہ انسان کا بچہ۔'' جی چاہا نہ جانے کیا کریں' زور سے ایک قلانچ بھریں۔ یہ آسمان پر جو تارے جگمگا رہے ہیں' سارے کے سارے توڑ کر حلیمہ کی گود میں بھر دیں۔

''کب ہوگا۔'' انہوں نے پوچھا۔

''شاید چھ مہینے بعد۔'' حلیمہ شرما گئی۔

''اوہ تب تک تو میرا رزلٹ بھی نکل آئے گا۔'' وہ ٹالنے لگے۔

حلیمہ کا دل جھونکے کھانے لگا' گاؤں سے اس بدنصیب کے رونے کی آواز کیسے پہنچے گی سرکار کے کانوں میں' بے حیا اور ماں کی طرح سخت جان ہوا تو شاید دوسری لونڈی بچوں کے جھرمٹ میں پل جائے گا۔ باپ اسے پہچانے گا بھی نہیں بیٹا نہیں غلام ہوگا کپڑوں پر استری کرے گا' جوتے پالش کرے گا اور اگر بیٹی ہوئی تو کسی کے پیر دبانے کی عزت حاصل کر کے گاؤں میں زندگی کا تاوان ادا کرنے چلی جائے گی۔

مگر حلیمہ کی زبان کو تالا لگا ہوا تھا بو بو نے کہہ دیا تھا۔ ''مالزادی اگر صاجزادے کو بھڑکانے کی کوشش کی تو بوٹیاں کر کے کتوں کو کھلا دوں گی۔''

''حلیمہ تم گاؤں نہیں جاؤ گی۔''

''ایسی باتیں نہ کیجیے۔''

''میں تمہیں نہیں جانے دوں گا۔''

مگر انہوں نے اسے بولنے نہ دیا' بو بو کہتی تھیں پیٹ والی عورت سے مرد ذات کو گھن آتی ہے تو یہ کیسا مرد تھا کہ بالکل وہی پہلے دن کا سا پیار۔

http://sohnidigest.com

دوسرے دن چھمن میاں نے کالج کو لات ماری اور اپنی اکیلی ہستی کا وفد لے کر ہر دروازے پر دہائی دے ڈالی۔

''بھائی جان' حلیمہ کو گاؤں کیوں بھیج رہے ہیں۔''

''میاں' محل کا پرانا دستور ہے۔''

''وہ گائے بھینس نہیں' میرے بچے کی امانت دار ہے۔''

صاحبزادے کا چہرہ تمتما اٹھا۔ ''بھئی حد کرتے ہو تم بھی یہ باتیں ہمارے سامنے کہتے ہوئے تمہیں شرم بھی نہیں آتی لاحول ولا قوۃ۔'' وہ بھنا کر اٹھ گئے۔

''محل کی پالیٹکس میں مردوں کا کوئی دخل نہیں ہوتا۔ پیاری مائیں جب مناسب سمجھتی ہیں چاق و چوبند باندی پیر دبانے کو مہیا کر دیتی ہیں جب اسے صحت کے لیے مضر اور بیکار سمجھتی ہیں دوسرے کاٹھ کباڑ کی طرح مرمت کے لیے بھجوا دیتی ہیں' عوض پر دوسری آ جاتی ہے۔ باندی سے جسم کا رشتہ ہوتا ہے۔ شریف آدمی دل کا رشتہ نہیں کر بیٹھتے۔''

''افضال بھائی پیاری امی سے کہیے حلیمہ کو گاؤں نہ بھیجیں۔'' انہوں نے اپنے چچازاد بھائی کی خوشامد کی۔

''اماں دیوانے ہوئے ہو پیٹ والی عورت صحت کے لیے مضر ہوتی ہے کیوں اتنا ٹپٹاتے ہو دوسرا انتظام ہو جائے گا۔'' انہوں نے ہنس کے ٹال دیا۔

''مجھے دوسرا انتظام نہیں چاہیے۔''

''اور پھر دسمبر میں تمہارا نکاح ہے حرمہ بی بی سے۔''

''میں حرمہ سے شادی نہیں کروں گا۔''

''حلیمہ گاؤں جائے گی تو میں کالج چھوڑ دوں گا۔'' انہوں نے اعلان کر دیا۔

''اچھا جی صاحبزادے کی یہ مجال۔'' بیگم کا خون کھول گیا۔ ''اسے ضد کرنا آتی ہے تو ہمیں بھی جواب دینا آتا ہے اب تو چاہیے میری میت اٹھ جائے' نامراد حلیمہ یہاں ایک گھڑی نہیں رہ سکتی پرسوں ورسوں نہیں' نایاب تم اسی وقت تیاری کرو۔ قسم جناب کی۔''

''نجم بیٹا بھی اللہ رکھے امید سے ہے فراغت پا کر ولایت جانے کا ارادہ ہے۔''

''اس کا کیا ذکر ہے' خدا جیتا رکھے میری بیٹی کو۔'' نجم چھمن میاں کی بہن کا نام تھا۔

''آمین، مگر گودوالے کو ولایت سنگ تو نہ لے جائیں گی اور وہ دولہا نواب کا اکیلا جانا بھی درست نہیں، وہ نگوڑی فرنگن پھر پیچھے لگ گئی۔ تو قیامت ہی آ جائے گی۔''

''اے ہے نایاب کہنا کیا چاہتی ہو۔''

''نجم بیٹا اور حلیمہ کا بس دو چار دن کا فرق ہوگا۔ خیر سے اگر ہفتہ بھر کا فرق بھی پڑا تو کوئی بات نہیں۔''

''ہوں۔'' اب بیگم کی سمجھ میں بات بیٹھنے لگی۔

''نجم بیٹا بھی زحمت سے بچ جائیں گی۔ وہ لندن جائیں گی تو بعد میں حلیمہ ان کے بچے کو دودھ پلا سکے گی۔ اچھا پاک دودھ بھی بچے کو ملے گا۔''

''جو حکم سرکار۔''

''مگر گاؤں میں اچھی دیکھ بھال نہ ہو تو...... حلیمہ دھان پان تو ہے ہی یہاں نظروں کے سامنے رہے گی، میرے ہاتھ کے نیچے۔ موٹی کو اچھی رج مٹھائیوں گی اور پھر صاحبزادے کی ضد بھی پوری ہو جائے گی۔''

''ضد ہی تو نہیں پوری کروں گی بس۔'' مگر بیگم ذرا نرم پڑ گئیں۔

''آپ کی مرضی، پر اتنا عرض کروں گی بس کچھ دن جاتے ہیں کہ میاں کا جی بھر جائے گا۔ اپنا کام نکلے گا ان پر احسان الگ سے ہوگا۔''

نایاب کے پیٹ میں جب جبار نے نزول فرمایا تو فرحت نواب ٹھنڈے پڑ گئے جب عورت حاملہ ہو جاتی ہے تو مرد کی دلچسپی ختم ہو جاتی ہے کہ یہ قانون قدرت ہے۔

مگر چھمن میاں قانون قدرت اور نایاب بو دونوں کو جھٹلا رہے تھے کیونکہ وہ دیوانے تھے کہ پیر کی جوتی کو کلیجہ سے لگا رکھا تھا۔ ایسی بے حیائی تو کسی نوابزادے نے کسی بیگم کے معاملے میں نہیں لادی۔ سر جھکائے مارا مار زچہ بچہ کے رکھ رکھاؤ پر کتابیں پڑھی جا رہی ہیں سارا جیب خرچ باندی کے لیے وٹامن کی گولیاں اور ٹانک لانے میں خرچ ہو رہا ہے۔

حلیمہ صحن میں بیٹھی چھمن میاں کے کرتے پر مری کا کام کر رہی تھی۔ کچ سے سوئی انگلی میں اتر گئی۔ وہ جانتی تھی وہ گاؤں کیوں نہیں بھیجی گئی تھی مگر اس نے چھمن کے خواب چکنا چور نہ کیے تھے۔

چھمن میاں کو ہول سوار ہو رہے تھے۔ انہوں نے اتنے قریب سے حاملہ عورت کبھی نہ دیکھی تھی سنا تھا نجم باجی کے کچھ ہونے والا ہے مگر وہ تو بس اوڑھے لیٹے دھما بنی کراہا کرتی تھیں گھڑی بھر کو سلام کیا دور بھاگ لیے۔

انہیں ڈر لگتا تھا کہ حلیمہ کہیں مینڈکی کی طرح پھٹ نہ جائے۔ کتابوں سے بھی کچھ تسلی نہ ہوئی تو فرخندہ نواب کے ہاں بھاگے گئے۔

فرخندہ نواب سے سب خاندان والے فرنٹ تھے' کیونکہ کسی زمانے میں وہ اوٹ پٹانگ محبت کر کے ہاتھ جلا چکی تھیں' مگر اشرف صاحب ان کے میاں پولیس میں تھے' اس لیے سب کو غرض پڑتی تھی اور ان کی چاپلوسی کرنا پڑتی تھی۔

ویسے بھی بیگمیں ان سے بہت بدکتی تھیں کہ وہ بہت عالم فاضل تھیں ان کے بیٹے نعیم سے چھمن کی بہت گھٹتی تھی۔

چھمن میاں کے پرکھوں کو بھی پتا نہ تھا کہ پیاری امی نے ان کی دلہن کے زیورات کے بارے میں صلاح لینے کے لیے جمعہ کے روز بلایا ہے' فرخندہ زیر لب مسکرائیں اور وعدہ کیا کہ جمعہ کے روز آئیں گی تو ان کی حلیمہ کو بھی دیکھ لیں گی۔

پورٹیکو سے اتر کر پہلے وہ چھمن کی طرف چلی گئیں۔

فرخندہ نواب نے ان کی بوکھلاہٹ پر سرزنش کی۔ حلیمہ بالکل ٹھیک ہے۔ پھٹے وٹے گی نہیں۔ اتنا چربی والا کھانا کھلاؤ' پھل اور دودھ دو۔

''تسلیم پھوپھی جان۔'' حلیمہ نے چلتے وقت ذرا سا گھونٹ ماتھے پر کھینچ لیا۔

''جیتی رہو میری گڑیا۔'' فرخندہ جلدی سے گڑیا کے گھروندے سے نکل گئیں۔

ادھر بیگم نواب کے کمرے میں انہوں نے چھمن کی دلہن کے زیورات دیکھے تو گم سم بیٹھی رہیں۔

''اے بی کچھ رائے دو کہ منہ میں گھنگنیاں ڈالے بیٹھی ہو۔''

''ہاں ہاں کہو وہ بڑی فیشن ایبل ہے' زیور گنوارو ہے تو میں بمبئی سے منگوا رہی ہوں۔''

''اچھا ہے کھل کر بات ہو جائے۔ فرخندہ بیگم کچھ اکھڑی اکھڑی بیٹھیں۔ پھر بہانے بنانے لگیں' کلب کی میٹنگ ہے۔ ان کے جانے کے بعد بوبو اور بیگم ان میں کیڑے ڈالتی رہیں۔''

نایاب زیور دکھانے کو گئیں تو پتا چلا فیروزہ نواب تو اپنی کسی ملنے والی کے ہاں گئی ہیں۔ حرمہ گیند بلا کھیل رہی تھیں۔

حرمہ دھم دھم کرتی آئیں۔ نایاب بوبو نے زیورات کا صندوقچہ دکھایا اور بولیں۔

http://sohnidigest.com

''زیورات' رانی بیٹا پسند فرمالیجیے۔''

''اوہ' مگر حلیمہ بی کے لیے میری پسند کے زیوروں کی کیا ضرورت ہے۔'' حرمہ لاپروائی سے مڑ کر کٹے بالوں میں برش گھسیٹنے لگی۔

''اے خدانہ کرے' حلیمہ باندی ہے۔''

''اچھا' وہ بچہ تو چھمن میاں کا ہے نا۔''

''بچہ!'' بوبو کو پسینے چھوٹنے لگے۔ ''کیسا بچہ۔''

''فرخندہ خالہ کہہ رہی تھیں کہ......''

''اے نہیں بیٹا۔ وہ۔ توبہ ہے نچی جھاڑ کا کانٹا بنا رہی ہیں وہ ہوتیں تو مجال نہیں یوں میرے منہ پر جوتیاں مارتیں۔''

بوبو پھنپھناتی ہوئیں اٹھ کھڑی ہوئیں۔

☆☆

''کتنا اچھلتا ہے پاجی۔'' چھمن اس کے چاندی جیسے تنے ہوئے پیٹ پر ہتھیلیاں رکھے قدرت کی ہنگامہ آرائیوں پر متحیر ہو رہے تھے۔

''اتنی ٹھنڈی کیوں پڑ گئی لیمہ۔'' بہت پیار آتا تو چھمن میاں حلیمہ سے لیمہ اور لیمہ سے لیمو کہتے۔

چھمن نے اسے رضائی میں سمیٹ لیا اور لمبی لمبی سانسیں بھر کر سونگھنے لگے۔ کیسی مہکتی ہے لیمو جیسے پکا ہوا سہری! جی نہیں بھرتا' پانی کا چھلکتا کٹورہ روز پیو روز پیاس تازہ' مگر اتنا پیار کرنا خود غرضی ہے' مرجھائی جاتی ہے۔ نہیں اب وہ اسے ہاتھ بھی نہیں لگائیں گے۔ اے وقت یہیں ٹھہر جاؤ نہ پیچھے مڑ کر دیکھ' نہ آگے نظر ڈال کر پیچھے چھوٹا اندھیرا ہے اور آگے۔ آگے کا کیا بھروسہ ہے۔

☆☆

''غضب خدا کا حلیمہ نے کیسی دغا دی ہے۔'' بیگم نے نواسی کے منہ میں شہد میں انگلی ڈبو کر دے دی۔ نایاب تمہارا منہ ہے کہ نگوڑا بہاڑ۔ کہتی تھیں دونوں ساتھ جنیں گی۔ نجم دھاروں دھار رو رہی ہیں۔ بچی کو دودھ چھوانے کی روادار نہیں اور تمہاری حلیمہ ہے کہ بچہ نہیں جن پاتی۔ تم تو کہتی تھیں کہ حلیمہ کا بچہ گاؤں بھجوا کر نجم کے بچے کو اس کے سپرد کر دوگی۔ اب کیا ہوگا۔

http://sohnidigest.com

نایاب کی بات نہ ٹلے۔ چاہے دنیا ادھر کی ادھر ہو جائے۔ وہ ٹکے کی باندی حلیمہ کی یہ مجال کہ سارا پروگرام چوپٹ کیئے دیتی ہے۔

حلیمہ بیٹھی نازنگیوں کا رس نکال رہی تھی۔ ابھی چھوٹے سرکار میچ جیت کر آتے ہوں گے۔ بوبوا سے گھور رہی تھیں جیسے چیل جھپٹا مارنے سے پہلے اپنے شکار کو تاکتی ہے۔ آج بڑی برہم نظر آ رہی تھیں۔

''حلیمہ ادھر آ۔'' انہوں نے کرخت آواز میں پکارا۔ حلیمہ تھرا اٹھی۔

''ہوں تو یہ گل کھلایا ہے۔'' انہوں نے اس کو سر سے پیر تک گھورا۔ ''بول حرامخور یہ کس کا ہے۔'' جیسے انہوں نے آج پہلی بار اس کا پیٹ دیکھا ہو۔

''یہ۔ یہ نارنگی۔''

''نارنگی نہیں، نامراد یہ تربوز۔'' انہوں نے اس کے اٹھے ہوئے پیٹ پر پنکھیا سے چھپکا مارا۔

حلیمہ دم بخود رہ گئی۔ آج تک کسی نے اس کے پیٹ کے قطر پر کوئی بات چیت نہیں کی تھی۔ وہ گنگ بس آنکھیں پھاڑے سن رہ گئی۔

''اب بولتی ہے کہ لگاؤں ایک جوتی اس تھوبڑے پر، حرامزادی قطامہ''

منجھلے نواب کی باندی گوری بی سے جب نایاب نے یہی سوال کیا تھا تو اس نے پھٹ سے جواب دے دیا تھا۔

حلیمہ کی زبان تالو سے چمٹ گئی۔ کوئی اس کی بوٹیاں کر ڈالتا۔ وہ چھوٹے سرکار کا نام نہ لیتی۔ ان کا گناہ تو اس کا سب سے پیارا ثواب تھا۔

''منہ سے پھوٹتی کیوں نہیں جنم جلی۔'' انہوں نے چٹاخ سے دیا ایک تھپڑ کہ انگوٹھی گال میں چبھ گئی اور خون نکل آیا۔

چھمن میاں ہٹ پر ہٹ لگا رہے تھے۔ سارا میدان تالیوں سے گونج رہا تھا۔

تالیوں کے شور میں چھمن نے چاندی کا کپ دونوں ہاتھوں سے سنبھالا تو ایسا لگا حلیمہ کا چکنا روپہلی پیٹ دھڑک رہا ہے۔

حسب عادت چھمن میاں بھاگتے ہوئے کمرے میں داخل ہوئے۔ حلیمہ کو پکارا، جواب نہ پایا تو کپ لیے پسینے میں تر پیاری امی کے پاس دوڑ پڑے۔

''اے میاں یہ لوٹا کہاں سے اٹھا لائے اچھا خوبصورت ہے۔''

''یہ لوٹا نہیں بوبو' کپ ہے۔''
''اے بیٹے جان' ذرا حکیم صاحب کو فون کرو کہ ٹانگوں میں پھر سے اینٹھن شروع ہوگئی ہے۔'' پیاری امی کراہنے لگیں۔
''جی بہت اچھا۔ بوبو' حلیمہ سے کہو بڑی گرمی ہے۔ سوتی کرتا نکالے۔''
ٹیلی فون کر کے واپس لوٹے تو بوبو نے اشارے سے کہا سو رہی ہیں۔
''میرے کپڑے۔'' بوبو نے اشارے سے اطمینان دلایا۔
''حلیمہ کہاں ہے۔'' وہ نہا کر نکلے تو سروری پاجامے میں آزار بند ڈال رہی تھی۔
''ہم پوچھتے ہیں حلیمہ کہاں ہے اور تو بکواس کیے جا رہی ہے۔'' چھمن غرائے۔
''اللہ ہمیں کیا معلوم۔ شاگرد پیشے میں ہوگی۔'' سروری آج بڑی بنی ٹھنی نظر آرہی تھی۔
''شاگرد پیشے میں۔ جا بلا۔'' انہوں نے پاجامہ اس سے چھین لیا۔
سروری مسکرائی اور میلے کرتے سے بٹن نکال کر اجلے میں ڈالنے لگی۔
''ارے سنا نہیں تو نے چڑیل' چل بھاگ کے جا۔'' انہوں نے اس سے کرتا چھین کر پھینک دیا۔
''بوبو نے ہمیں بھیجا ہے۔''
''تجھے بھیجا ہے۔ کیوں۔''
سروری آنکھیں جھکا کے ہنس دی۔
''الو کی پٹھی!'' چھمن نے ریکٹ اتارا۔ سروری بڑے ناز سے ٹھکتی جھانجن بجاتی چلی گئی۔
پانچ پھر دس منٹ گزر گئے۔ چھمن جھلائے تولیہ باندھے میگزین الٹ پلٹ کرتے رہے۔ جب پندرہ منٹ گزر گئے تو بے قرار ہوگئے۔
''ارے ہے کوئی۔'' وہ حلیمہ کو اسی طرح آواز دیتے تھے۔
سروری اتراتی زمین پر ایڑیاں مارتی' پھر نازل ہوگئی۔ اس کی زہریلی مسکراہٹ دیکھ کر چھمن کا جی دھک سے ہوگیا۔
''چڑیل سچ سچ بتا نہیں تو۔'' انہوں نے اس کی چڑیا کلائی پر لپیٹ کر مروڑی۔
''ہی میں مر گئی' ہائے میری میا۔ سرکار ادھر شاگرد پیشے میں ہے۔''

چھمن نے اس کی چٹیا چھوڑ دی اور سارے بدن سے کانپنے لگے۔ جلدی سے سلیپر پیر میں ڈالے اور بھاگے۔
''اے میاں خدا کا واسطہ' کہاں جا رہے ہیں۔'' سروری پیچھے لپکی۔ ''مردوں کے جانے کا وقت نہیں ہے۔''
مگر میاں کہاں سنتے تھے۔ برآمدے میں نایاب مل گئی۔
''بوبو ڈاکٹرنی کو فون کراؤ۔''
''ہے ہے چھوٹے میاں کپڑے تو پہنو' او مال زادی۔'' انہوں نے سروری کو پھٹکارا۔ وہ تو لطیفہ کو بھیج رہی تھیں۔ پر سروری نے ان کے پیر پکڑ لیے۔
''بوبو جبار کو موٹر لے کر بھیج دو' ٹیلی فون سے کام نہیں چلے گا۔''
''اے میاں' کاہے کے لیے۔''
''حلیمہ۔'' ان کا حلق سوکھ گیا۔ ''حلیمہ۔ وہ۔''
''ڈاکٹرنی نہیں' اس کے لیے تو ولایت سے میم آئے گی بے حیا مردار' لونڈیوں' باندیوں کا دماغ ساتویں آسمان پر چڑھنے لگا ہے۔ ان باتوں سے۔ جائیے آپ کے دوست نعیم میاں کا فون آیا تھا۔ ان کی سالگرہ ہے۔ اور سروری کی بچی نامراد' میاں کا وہ چوڑی دار پاجامہ نکال اور شیروانی۔'' وہ چلنے لگیں۔
''بوبو حلیمہ۔''
''اے میاں کیا کہنے آئی تھی' آپ نے بالکل ہی بھلا دیا۔ آپ کی پیاری امی کی طبیعت ناساز ہے۔ نعیم میاں کے جاتے وقت ذرا حکیم صاحب کے بھی ہوتے جائیے گا۔ میں جبار سے کہتی ہوں موٹر نکالے۔'' وہ دھم دھم کرتی چلی گئیں۔
چھمن بوکھلائے ہوئے کمرے میں لوٹ آئے بیٹھے' پھر تڑپ کر اٹھ کھڑے ہوئے' پھر جلدی سے الٹے سیدھے کپڑے بدن پر ڈالے۔ انہوں نے کتنی باندیوں کی موت دیکھی تھی۔ صنوبر کی لاش مہینوں انہیں خوابوں میں نظر آتی رہی تھی۔ حلیمہ بھی تو پھول سی بچی تھی۔ خون کی کمی کی وجہ سے دق کی مریضہ لگتی تھی۔ وہ سیدھے بڑے بھائی کی طرف بھاگے۔
''بھائی جان۔''
''کیا ہے۔'' وہ اپنے ایک دوست کے ساتھ شطرنج کھیل رہے تھے۔
''وہ وہ۔ ذرا آپ سے ایک بات کہنا ہے۔'' انہوں نے لرزتے ہاتھوں سے ان کی آستین کھینچی۔
''ٹھہرو میاں ذرا یہ بازی دیکھو' کیا ٹھاٹھ جمایا ہے' اے بھائی قدوس شہر بچیے ورنہ۔''
''بھائی جان۔'' چھمن کا دم نکلنے لگا۔

''بیٹھو ذرا' ہاں بھئی قدوس۔''
کوئی بیس منٹ لگے' مگر چھمن پر بیس صدیاں گزر گئیں۔
''ارے ہاں بھئی کپ مار دیا تم نے' مبارک ہو۔'' انہوں نے پلٹ کر بڑے جوش سے کہا۔
''بھائی جان حلیمہ۔ وہ۔ وہ۔ پلیز ڈاکٹرنی منگوا دیجیے۔''
''ہوں۔ آ جائے گی اگر کوئی ضرورت پڑی تو۔''
''نہیں بھائی جان حلیمہ مر جائے گی۔ کچھ کیجیے۔''
''تو کیا میں خدا ہوں۔ جو کسی کی آئی کو خالی دوں گا۔ مگر شرم نہیں آتی ایک باندی کے لیے بر برائے پھر رہے ہو' کچھ تو لحاظ کرو' ایک آوارہ چھوکری کو سر پر چڑھانا ٹھیک نہیں۔ حرامی پلا جن رہی ہے' آوارہ نہیں تو بڑی پارسا ہے۔''
''بھائی جان۔ وہ۔ وہ۔''
''اماں اتنا ہکلاتے کیوں ہو۔ نکاح نہیں تو عورت فاحشہ ہے' زانیہ ہے' سنگسار کرنے کے قابل ہے' مر جائے تو اچھا ہے۔ خس کم جہاں پاک۔''
''مگر میں بھی تو گناہگار ہوں۔''
''تو میں کیا کروں' جاؤ اپنے گناہوں کی توبہ کرو' میرا سر کیوں چاٹ رہے ہو۔''
اس قدر کوڑھ مغز انسان سے بات کرنا حماقت تھی۔ کوئی اور ہوتا ان کی جگہ تو چھمن منہ توڑ دیتے' مگر بچپن سے بڑے بھائی کی عزت کرنے کی کچھ ایسی عادت پڑ گئی تھی کہ خون کے سے گھونٹ پی کر گردن لٹکائے چلے آئے۔
دیوانوں کی طرح چھمن نے ہر چوکھٹ پر تھا پچا۔ باپ کے سامنے گڑگڑائے' مگر انہیں گل بہار نامراد نے ایسا جلا کر خاک کیا تھا کہ باندی کے نام سے ہی تین فٹ اچھل پڑے۔
''تمہاری یہ مجال کہ ہمارے سامنے اپنی بدکاریوں کا اس ڈھٹائی سے اقرار کرو۔ ایک تو موری میں منہ دیتے ہو' پھر اس میں سارے خاندان کو لتھیڑنا چاہتے ہو۔''
انہوں نے پیاری امی کے تلووں پر آنکھیں ملیں' مگر انہوں نے ہسٹیریا کا دورہ ڈال لیا۔ ایسی بات سننے سے پہلے وہ بہری کیوں نہ ہو گئیں۔ اندھی ہو گئی ہوتیں تو یہ دن تو نہ دیکھنا پڑتا۔
چچا ابا کے سامنے ہاتھ جوڑے۔
''لاحول ولا قوۃ! اماں مرنے دو سالی کو' ہم تمہیں اپنی ماہ رخ دے دیں گے۔ واللہ کیا پٹاخہ ہے ایک چھچ سی باندی

کے پیچھے دم دیئے دے رہے ہو یہ سب تمہاری ان واہیات کتابوں کی خرافات ہے۔"

لوگ مسکرا رہے تھے۔ ان پر لطیفے چھوڑ رہے تھے اور وہ شاگرد پیشے کے آگے سر واور سیلی زمین پر بیٹھے رو رہے تھے۔ اٹھارہ برس کا لڑکا دودھ پیتے بچوں کی طرح مچل رہا تھا۔ دھاروں دھاروں رو رہا تھا۔

ابا حضور غصے سے گرج رہے تھے۔ اگر بیگم نے دورہ نہ ڈال لیا ہوتا' تو وہ اس ننگ خاندان کی ہنٹر سے کھال ادھیڑ دیتے۔ جس دن انہوں نے سنا تھا کہ فرزندار جمند نے لونڈی ٹھکانے لگادی تو ان کی گچھے دار مونچھیں مسکراہٹ کے بوجھ تلے لرز اٹھی تھیں۔ بڑے صاحبزادے تو دغا دے ہی گئے اگر چھوٹے بھی اسی راہ نکل گئے ہوتے تو جائیداد کا وارث کہاں سے آتا۔

ایسا تماشا لوگوں نے کبھی نہ دیکھا نہ سنا' نوکر ہنس رہے تھے باندیاں ٹھی ٹھی کر رہی تھیں۔

ادھر بان کے جھلنگے میں پڑی حلیمہ مورنی کی طرح کڑک رہی تھی' کھرے پھانسوں دار بان سے اس کی ہتھیلیاں چھل گئی تھیں

"ہائے سروری' وہ گیلے فرش پر بیٹھے ہیں' انہیں اٹھا وہاں سے جنم جلی۔ سردی لگ جائے گی ان کے دشمنوں کو۔" اگر ورد کے لیے رحم حملے اسے وقفہ دیتے تو وہ انہیں اپنے سر کی قسم دے کر زمین سے اٹھا لیتی نہیں قسم خدا کی' ان سے کوئی شکایت نہیں۔

مگر دردوں کی مہیب موجیں اس کے پسینے میں ڈوبے بے ڈول جسم کو جھنجھوڑ رہی تھیں۔ اس نے اپنے ہونٹ چبا ڈالے کہ اس کی آواز سن کر چھمن میاں دیوانے نہ ہو جائیں' پر دل کے کان سب سن لیتے ہیں۔ چھمن پر نزع کی کیفیت طاری تھی جی چاہ رہا تھا کہ پتھر پر سر دے ماریں کہ یہ کھولن پاش پاش ہو جائے۔ اچانک درد سے کسی نے ایک دم پکارا۔ غم واندوہ کے گہرے کنوئیں سے انہیں اوپر کھینچ لیا۔ انہوں نے پورٹیکو سے سائیکل اٹھائی اور ویسے ہی کیچڑ میں لت پت تیزی سے پھاٹک سے بال بال بچتے ہوئے نکل گئے۔

"ہائے میرا لال۔" بیگم نے ہوش میں آکر چھاتی پیٹ لی۔

"اے ہے چھمن خیر تو ہے۔"

کیچڑ میں سر سے پیر تک نہائے آنسو کے دریا بہاتے چھمن ہچکیوں سے نڈھال رو رہے تھے۔ "حلیمہ۔ پھپھو۔"

"اچھی تو ہے۔"

"مر گئی' مر رہی ہے۔ پھپھو۔ کوئی نہیں سنتا میری کوئی نہیں سنتا۔"

''بھئی بڑے بے وقوف ہو' میں نے تم سے کہا تھا مجھے فوراً اطلاع کرنا' میں ابھی فون کرتی ہوں ایمبولینس کے لیے۔ اسپتال پہنچا دیا جائے۔ وہاں محل میں تمہارے بڑوں سے کون لڑے جا کر۔''

''میں کرتا ہوں۔'' اشرف' ان کے شوہر نے فون اٹھایا۔

''میرا آج فائنل تھا' پھپھو وہاں سے آیا تو۔ پتہ چلا' پھپھو مر جائے گی۔ مر بھی گئی ہوگی۔ اب تک تو۔''

''نہیں بھائی مرے ورے گی نہیں۔''

جب فرخندہ نواب کی موٹر آگے اور پیچھے ایمبولینس پہنچی تو محل میں کہرام مچ گیا۔ بیگم نے فی البدیہہ ایک عدد دورہ ڈالا اور لب دم ہوگئیں' نواب صاحب نے رائفل میں کارتوس ڈالے اور پھنپھناتے ہوئے نکل پڑے' مگر ایمبولینس کے پیچھے پولیس کی جیپ نظر آئی تو پلٹ پڑے۔ خاندان کی ایسی تھڑی تھڑی تو جب بھی نہیں ہوئی تھی' جب منجھلے نواب کی جاگیر کورٹ ہوئی تھی۔

فرخندہ نواب نے ادھر دیکھا نہ ادھر' سیدھی کالی کوٹھڑی میں دندناتی گھس گئیں۔

چھمن نے خون میں نہائی باندی حلیمہ کو بانہوں میں سمیٹ لیا اور محل میں صف ماتم بچھ گئی۔ بیگم کی بیہوشی جا کر لبوں پر کوسنے آ گئے۔

☆☆

اگلے روز ایک قلم کی جنبش سے چھمن اپنے حق سے دست بردار ہوگئے کون سی گاڑھے پسینے کی کمائی تھی جو درد ہوتا۔ جواباً حضور نے فرمایا۔ انہوں نے بے دریغ دستخط کر دیئے اور جائیداد سے عاق قرار پا گئے۔

چھمن اب ایک چھوٹی سے گلی میں ایک سڑیل سے مکان میں رہتے ہیں۔ کسی اسکول میں گیند بلا سکھاتے ہیں۔ کالج بھی جاتے ہیں۔ اکثر شام کو گھسی پٹی پتلون اور دانت نکوسے قمیص پہنے سائیکل پر آتے جاتے نظر آ جاتے ہیں۔ سائیکل کے کیریئر پر سودا سلف کے درمیان کبھی کبھی شربتی آنکھوں والا ایک بچہ بھی بیٹھا ہوا نظر آتا ہے۔ وہ تو گئے خاندان سے۔ اتنا پڑھ لکھ کر گنوایا۔ ایک باندی گھر میں ڈال رکھی ہے۔ پتہ نہیں باندی سے نکاح بھی کیا ہے کہ نہیں۔ اللہ اللہ کیسے برے دن آئے ہیں۔